مولانا عبدالشکور ترمذی ساہیوال، ضلع سرگودھا

تلخیص وانتخاب از ترجمان السنۃ

مقامِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

قسط ۳

کتاب وسنت کی روشنی میں

یہ سخت غلط فہمی ہے کہ نبوت کو ان کمالات میں سے سمجھ لیا جائے جو پہلی امتوں کو کسی عبادت وریاضت کے صلہ میں یا انعام کے طور پر تقسیم کئے گئے ہیں۔ یہ صرف تشریعی ضرورتوں کی تکمیل کا ایک منصب ہے جس میں قدرت اس کی صلاحیت پیدا کرتی ہے۔ اس کو اس منصب کے لئے منتخب کر لیتی ہے۔

اگر نبوت ان کمالات میں سے ہوتی جو مجاہدات ریاضات، پاکبازی، حسنِ نیت، وغیرہ عبادات کے صلہ میں انعامی طور پر ملتے ہیں تو یقیناً اس کے لئے سب سے موافق زمانہ خود نبی کی موجودگی کا زمانہ ہوتا، کیونکہ جتنی عملی جدوجہد، اتباعِ بشریت کا جتنا جذبہ خود نبی کے زمانہ میں ہوتا ہے اس کے بعد نہیں ہوتا۔ مگر نبوت کی تاریخ اس کے برخلاف ہے۔ یعنی جب خدا تعالیٰ کی زمین شر وفساد، طغیانی وسرکشی، تکبر ونمرود سے بھر گئی ہے، صلاح وتقویٰ کا تخم فاسد ہو گیا ہے، رشد وہدایت کے آثار محو ہو گئے ہیں، وہی وقت انبیاء علیہم السلام کی آمد کا سب سے زیادہ موزوں قرار پایا ہے۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نکالنا آسان نہیں ہے کہ نبوت وہ انعام نہیں ہے کہ ولایت وصدیقیت کی طرح امتوں میں تقسیم کی جائے۔ بلکہ دنیا کے انتہائی دور ضلالت میں خدا کی صفت ہدایت کا اقتضاء ہے۔ اس میں کسب واکتساب اور ماحول کی مساعدت ونامساعدت کا کوئی دخل نہیں ہے۔ حاصل یہ ہے کہ نبوت ان کمالات میں سے نہیں ہے جو ریاضات ومجاہدات کے صلہ میں بطور انعام کسی وقت بھی بخشا گیا ہو بلکہ یہ ایک الٰہی منصب ہے جس کا تعلق تشریعی ضرورت اور براہ راست خدا تعالیٰ کی صفت اجتباء واصطفاء کے ساتھ ہے وہ جسے چاہتا ہے اس منصب کے لئے چن لیتا ہے۔

رسالت کا مفہوم | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا صحیح اور پورا مفہوم اسی وقت ادا ہوتا ہے جبکہ آپ کو خاتم النبیین بھی سمجھا جائے۔ آپ کو صرف رسول اللہ سمجھنا اور خاتم النبیین نہ سمجھنا آپ کی حیثیت کے صرف ایک ہی جزء کو ادا کرتا ہے۔ اور وہ بھی مشترک جزء کو۔ آپ کے منصب عالی کا ممتاز جز خاتم النبیین ہے۔ لیکن چونکہ یہ دونوں حیثیتیں آپ کی ذات میں جمع ہیں اور اس طرح جمع ہیں گویا ایک ذات کے دو عنوان ہیں۔ اس لئے عام طور پر صرف اقرار رسالت ختم نبوت کے اقرار کیلئے کافی سمجھا گیا جیسا کہ کلمۂ توحید کا اقرار، اس کا اقرار گو رسالت کے اقرار سے ایک جداگانہ شے ہے مگر جو توحید آپ کی حکم برداری میں تسلیم کی جائے وہ اقرار بالرسالۃ کے ہم معنی ہے اس لئے بعض احادیث میں صرف کلمہ توحید کی شہادت کو مدارِ نجات قرار دیدیا گیا ہے۔ اسی طرح آپ کی رسالت اور ختم نبوت کا مسئلہ سمجھنا چاہیئے۔

عقیدۂ ختم نبوت ایمان کا جزء ہے | حدیث میں جسطرح خدا تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانے کا مطالبہ کیا ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ختم نبوت پر بھی ایمان لانے کا مطالبہ کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان آپ کی ختم نبوت پر ایمان لائے بغیر حاصل ہی نہیں ہو سکتا۔ قرآن کریم میں ولکن رسول اللہ کے ساتھ وخاتم النبیین کا لفظ اسی لئے ہے کہ آپ صرف رسول اللہ نہیں ہیں بلکہ خاتم النبیین بھی ہیں۔ اس کے برخلاف آپ سے پیشتر جتنے رسول ہوئے وہ صرف رسول اللہ تھے اسی لئے کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ خاتم النبیین ہے۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مخصوص لقب ہے۔ اور آپ نے ہی اس کا دعویٰ کیا ہے۔ حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا یہ لقب صرف بطور مدح نہیں ہے بلکہ یہ بہ حیثیت عقیدہ کے ایک عقیدہ ہے۔ خاتم الشعراء اور خاتم المحدثین کی طرح یہ صرف ایک محاورہ نہیں ہے۔

رسول اللہ کا تصور | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تصور کیلئے دو باتوں کا تصور ضروری ہے۔ یہ کہ آپ رسول اللہ ہیں، اور یہ کہ آپ خاتم النبیین بھی ہیں۔ آپ کے متعلق صرف رسول اللہ کا تصور آپ کی ذات گرامی کا ادھورا اور ناتمام تصور ہے بلکہ ان ہر دو تصورات پر آپ کا امتیازی تصور خاتم النبیین ہی ہے۔

ضروری تنبیہ | جب کسی لفظ کا ایک مفہوم اور اسکی مراد امت مسلمہ کے تواتر استعمال کرنے اور اجماع سے متعین ہو گئی ہو۔ تو قرآن وحدیث میں اس لفظ کے وہی معنی مراد لئے جائیں گے

اور کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ لغت کی استحانت یا دیگر شواہد سے اس لفظ کے دوسرے معنی اور مفہوم مراد لے مثلاً وحی کا لفظ ہے۔ لغت میں وہ کس معنی کے لئے ہے اب اس پر بحث کرنی غیر ضروری ہے۔ کیونکہ قرآنِ کریم میں جب اس لفظ کا استعمال انبیاء علیہم السلام کے دائرہ میں ہوا ہے تو اس کے معنی بندہ اور حق تعالیٰ کے مابین ہمکلامی کے ہوتے ہیں۔ اس لئے جب کہیں وحی کا لفظ انبیاء و رسل کے بارہ میں استعمال کیا جائے گا تو اس کے یہی مراد لئے جائیں گے یا مثلاً نبی کا لفظ ہے۔ یہ نباء سے مشتق ہے اور لغت میں انباء گو ہر خبر کیلئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کا عام استعمال اب صرف غیب کی خبروں میں ہوتا ہے۔ تو نبی اللہ کے معنی (فعیل بمعنی مفعول کا لحاظ کرتے ہوئے) یہ ہوں گے الذی بناہ اللہ، یعنی جسکو اللہ نے نبی بنایا ہو اور اس کو غیب کی خبریں دی ہوں" اس کے بعد اب ختمِ نبوت کے مفہوم اور معنی پر غور کیجئے۔

ختمِ نبوت کے معنی | ختمِ نبوت کا لفظ ہمیشہ سے امت مسلمہ میں تواتر کے ساتھ استعمال ہوتا چلا آیا ہے۔ اور ہمیشہ سے اس لفظ کا مفہوم صرف یہی سمجھا گیا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کسی جدید نبوت کا کوئی امکان نہیں ہے۔ خواہ وہ کسی قسم اور کسی مرتبہ ہی کی کیوں نہ ہو۔ ظلی ہو یا بروزی، تشریعی ہو یا غیر تشریعی ہر قسم کی نبوت ختم کر دی گئی مگر اس معنی سے نہیں کہ آئندہ نفوس انسانیہ کو کمال و تکمیل سے محروم کر دیا گیا ہے۔ بلکہ اس معنی سے کہ اب یہ منصب ہی ختم کر دیا گیا ہے۔

صرف لفظ کا استعمال کافی نہیں | اگر کوئی جماعت صرف ختمِ نبوت کا لفظ تو استعمال کرتی ہے۔ مگر ان معنوں سے نہیں جن میں کہ عام مسلمان اس کو استعمال کرتے چلے آئے ہیں۔ تو محض اس لفظ کے استعمال کر لینے سے اس کو عام مسلمانوں کی جماعت میں کیسے شمار کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ صرف جنت و دوزخ، نبوت اور معجزات کے الفاظ استعمال کرنے والے فلاسفہ کو صرف ان الفاظ کے استعمال کرنے سے مسلمانوں کے عقائد سے متفق نہیں سمجھا جا سکتا ہے۔ جب تک کہ یہ ثابت نہ ہو جائے کہ وہ ان الفاظ کا استعمال ان ہی معنوں میں کرتے ہیں جن میں کہ تمام مسلمان ان کو استعمال کرتے چلے آئے ہیں۔ کیا نصاریٰ اور یہود بھی توحید کا اقرار نہیں کرتے۔ مگر کیا صرف لفظ توحید کے استعمال کر لینے سے ان کو اسلامی توحید کا معتقد کہا جا سکتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایمان و اسلام کیلئے یہ ضروری ہے کہ ان حقائق کو اپنے انہی معنوں میں مانا جائے جن میں کہ وہ ہمیشہ سے مسلمانوں میں مسلم رہے ہیں۔ صرف رسمی الفاظ کی نقالی بے سود ہے۔

ختمِ نبوت کی عقلی وجہ | سنت اللہ یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو ختم فرمانے کا ارادہ فرماتے

ہیں تو اس کو کامل کر کے ختم فرماتے ہیں۔ ناقص کو ختم نہیں فرماتے۔ نبوت بھی اپنے کمال کو پہنچ چکی تھی۔ اس لئے مقدر یوں ہوا کہ اسکو بھی ختم کر دیا جائے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت ختم نہ ہو بلکہ جاری رہے تو لازم آئے گا کہ ان کا خاتمہ نقصان پر ہو۔ ظاہر ہے کہ ایک نہ ایک دن عالم کا فنا ہونا ضروری ہے۔ اس سے قبل کسی نہ کسی نبی کا آخری نبی ہونا بھی عقلاً لازم ہے، اب اگر وہ آپ سے زیادہ کامل ہو تو اس کے لئے اسلامی عقیدہ میں گنجائش نہیں۔ اور اگر ناقص ہو تو خاتمہ نقصان پر تسلیم کرنا لازم ہو گا۔

تفصیل اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب فطرتِ عالم پر غور کیا جائے گا تو جزء و کل میں ایک حرکت نظر آئے گی۔ ہر حرکت ایک ارتقاء اور کمال کی متلاشی ہوتی ہے، پھر ایک حد پر پہنچ کر یہ حرکت ختم ہو جاتی ہے۔ اور جہاں ختم ہوتی ہے وہی اس کا نقطۂ کمال کہلاتا ہے۔ انسان کی حقیقت پر اگر غور کیا جائے تو وہ بھی نطفہ سے متحرک ہو کر دم، علقہ و مضغہ کے قالب طے کرتا ہوا خلقِ آخر پر جا کر ٹھہر جاتا ہے۔ اور اسی کو اسکی استعداد فطری کا کمال کہا جاتا ہے، پیدا ہونے کے بعد اس کے اعضاء میں پھر ایک حرکت اور ایک نشو و نما نظر آتا ہے اور وہ دورِ شباب پر مکمل ہو کر ختم ہو جاتا ہے۔ اور اسی کو اس کا زمانہ کمال کہا جاتا ہے، نباتات اور اشجار کو دیکھئے تو وہ بھی ایک چھوٹی سی گٹھلی سے حرکت کرتے کرتے ایک تناور درخت بن جاتا ہے آخر کار اس پر پھل نمودار ہوتے ہیں۔ اور جب وہ نمودار ہوتے ہیں تو یہ اس کا کمال سمجھا جاتا ہے۔ اسی کمال پر پہنچ کر درخت کا ایک دورِ حیوٰۃ ختم ہو جاتا ہے، آئندہ اپنے دورِ حیوٰۃ کیلئے پھر اس کو بہت سے انہیں ادوار کو دہرانا پڑتا ہے، جن میں سے گذر کر وہ اس منزل تک پہنچا تھا۔ یعنی موسمِ خزاں آتا ہے اور اس کے دورِ حیوٰۃ کو ختم کر جاتا ہے۔ اگر قدرت کو اس کی پھر نشاۃِ ثانیہ منظور نہ ہوتی تو وہ یونہی سوکھ کر ختم ہو گیا ہوتا، مگر چونکہ اس کو ابھی باقی رکھنا منظور ہوتا ہے اس لئے پھر اسے وہی سبز سبز پتیاں وہی ہری ہری لچکدار ڈالیاں مل جاتی ہیں۔ پھر اس پر پھول آتے ہیں اور آخر میں پھل نمودار ہوتے ہیں۔ جب تک یہ درخت موجود رہتا ہے اسی طرح اپنے ارتقائی مدارج کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک دوہرایا کرتا ہے۔ جو درخت اپنی ابتدائی کڑیوں کو پھر نہیں دوہراتے وہ ایک مرتبہ پھل دے کر اپنی زندگی ختم کر جاتے ہیں جیسے کیلا کا درخت ہے۔

اسی طرح سمجھا جائے کہ عالمِ نبوت میں بھی ایک تدریج نمایاں ہے حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر تمام شریعتوں پر نظر ڈالئے تو معلوم ہو گا کہ تمام نبوتیں کسی ایک کمال کی جانب متحرک ہیں،

ہر پچھلی شریعت پہلی سے نسبتاً ارتقائی شکل میں نظر آتی ہے۔ اس لئے اس طبعی اصول کے مطابق ضروری ہے کہ یہ حرکت بھی کسی نقطہ پر جاکر ختم ہو جس کو اس کا کمال کہا جائے۔

لیکن جب خود نبوت ہمارے ادراک سے بالاتر حقیقت ہے تو اس کے آخری نقطہ کمال کا ادراک بدرجہ اولیٰ ہماری پرواز سے باہر ہونا چاہئے۔ اس لئے ضروری ہے کہ قدرت خود اسکی کفالت فرمائے اور خود ہی اس کا اعلان کردے کہ نبوت کا ارتقاء جہاں ختم ہوا ہے، وہ مرکزی اور کامل ہستی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک ہستی ہے۔ قرآنِ کریم میں اس کا اعلان فرماتے ہوئے ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین کے بعد فرمایا ہے۔ وکان اللہ بکل شیء علیما۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہی کو ہر چیز کا علم ہے وہ ہی یہ جانتا ہے کہ نبیوں میں خاتم النبیین اور آخری نبی کون ہے، یہ بات تمہاری دریافت سے باہر ہے کہ تم معلوم کرسکو کہ اس کے رسولوں کی مجموعی تعداد کتنی ہے ان میں اوّل کون ہے اور آخری کون ہے۔

نبوت نے اپنا مقصد پالیا | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کوئی نیا رسول نہیں آئے گا۔ کیونکہ اگر کوئی رسول آئے تو یا تو وہ آپ سے افضل ہوگا یا مفضول، اگر افضل ہو تو تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ نبوت نے ابھی تک اپنے اس کمال کو نہیں پایا جس کے لئے وہ متحرک ہوئی تھی اور اگر مفضول ہو تو کمال کے بعد پھر یہ نزولی حرکت اسی وقت مناسب ہوسکتی ہے جبکہ عالم کی پھر نشاۃ ثانیہ تسلیم کی جائے۔

لیکن چونکہ دنیا کی اجل مقدر پوری ہوچکی تھی اس لئے ضروری تھا کہ نبوت آخری اینٹ بھی لگادی جائے اور اعلان کردیا جائے کہ دنیا کی عمر کے ساتھ قصرِ نبوت کی بھی تکمیل ہوگئی ہے۔ اور نبوت نے اپنا مقصد پالیا ہے۔

ختمِ نبوت دینی ارتقاء اور خدا تعالیٰ کے انتہائی انعام کا اقتضاء ہے اور وہ کمال ہے کہ اس سے بڑھ کر امت کے لئے کوئی اور کمال نہیں ہوسکتا ہے۔ پھر حیرت ہے کہ اتنے عظیم الشان کمال کو برعکس محرومی سے کیسے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

دین اسلام کامل ہوچکا ہے اس کی روشنی اقصاء عالم میں پھیل چکی ہے۔ خدائی نعمت پوری ہونے میں کوئی کسر باقی نہیں رہی اور ہمیشہ کے لئے ایک اسلام ہی پسندیدہ دین ٹھہر چکا ہے۔ اس لئے آئندہ نہ گمراہی اتنا تسلط حاصل کرسکتی ہے کہ ہدایت کو فنا کردے اور اس کے تمام چشمے خشک ہوجائیں، اس کی ایک کرن بھی چمکتی نہ رہے۔ اور نہ اس لئے کسی رسول کے آنے کی ضرورت

باقی ہے۔

ختم نبوت درحقیقت اس کا اعلان ہے کہ نورِ نبوّت اب تمام عالم کو اسطرح روشن کر چکا ہے کہ اب کفر خواہ کتنا ہی سر پٹکے مگر وہ اس کے بجھانے سے بجھ نہیں سکتا۔ خدا کا اقرار اور اس کے صفات کی معرفت، غیب کا یقین، اب مجموعہ عالم کا اس طرح جزو بن چکے ہیں اگر کہیں اس مرتبہ پھر یہ معرفت ختم ہوگئی تو بس اس کے ساتھ ہی عالم کی روح بھی نکل جائے گی اور قیامت قائم ہو جائے گی۔

بڑی غلط فہمی | یہ بڑی غلط فہمی ہے کہ ختم نبوّت کو کمالات کے ختم کے ہم معنی سمجھ لیا گیا ہے۔ ہمارے اس بیان سے روشن ہو گیا کہ نبوت کا ختم ہونا تو خدائی نعمت کے اتمام اور دین کے انتہائی ارتقاء و عروج کی دلیل ہے، البتہ کمالات و برکات کا خاتمہ بلاشبہ محرومی ہوتی مگر روایات سے ثابت ہے کہ امت مرحومہ کے کمالات تمام امتوں سے زیادہ ہیں اور اتنے زیادہ ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے نبی کو بھی اس امت کے کمالات سن کر تمنا ہو سکتی ہے کہ وہ بھی اس امت کے ایک فرد ہوتے۔

ایک مغالطہ | ایک مغالطہ یہ ہے کہ ختم نبوّت کا مطلب یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ نبوت کی بندش گویا آپ کی تشریف آوری کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اگر آپ تشریف نہ لاتے تو شاید کچھ اور افراد کو نبوّت مل جاتی۔ یہ بھی انتہائی جہالت ہے، خاتم النبیین کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ سلسلہ انبیاء علیہم السلام میں آپ سب سے آخری نبی ہیں۔ اس لئے آپ کی آمد ہی اس وقت ہوئی ہے جبکہ انبیاء علیہم السلام کا ایک ایک فرد آچکا تھا۔ اس لئے آپ کی آمد نے نبوّت کو بند نہیں کیا بلکہ جب نبوّت ختم ہوگئی تو اس کی دلیل بن کر آپ تشریف لائے ہیں اور اس معنی سے آپ کو خاتم النبیین کہا گیا ہے۔ اگر علم ازلی میں کچھ اور افراد کیلئے نبوّت مقدر ہوتی تو یقیناً آپ کی آمد کا زمانہ بھی ابھی اور موخر ہو جاتا۔

فاحش غلطی | سب سے زیادہ فاحش غلطی یہ ہے کہ اس پر غور نہیں کیا گیا کہ پہلے ایک نبی کے بعد دوسرا نبی کیوں آتا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی نبوتیں خاص قوم اور خاص زمانہ کے لئے ہوتی تھیں اس لئے ہر نبی کے بعد لامحالہ دوسرے نبی کی ضرورت باقی رہتی تھی، لیکن جب وہ نبی آگیا جسکی نبوّت کسی خطہ، کسی قوم اور کسی زمانہ کے ساتھ مقید نہیں تو اب اس کے بعد نبوت کا سوال ایسا ہی ہے جیسا کہ اسکی موجودگی کے زمانہ میں۔

آپ کا دورۂ نبوت دوسرے انبیاء کی طرح ختم نہیں ہوا۔ پس درحقیقت نبوت تو اب بھی

باقی ہے اور وہ نبوت باقی ہے جو تمام نبوتوں سے کامل تر ہے ہاں نبی اور کوئی باقی نہیں رہا جب آپ کی نبوت باقی ہے تو اب جدید نبوت کا سوال خود بخود ختم ہو جاتا ہے

ہنوز آں ابرِ رحمت درفشاں ست — خم و خمخانہ با مہر و نشاں ست

آپ کا تشریف لانا تمام جہان کیلئے رحمت ہے | اس کا مطلب یہ ہے کہ اب خاتم بذاتِ خود تمام جہان کے لئے رحمت بن کر آ گیا ہے اتنی بڑی رحمت کہ اس کے بعد کسی اور رحمت کی ضرورت نہیں ہوگی۔ آج تک ہر رسول کے بعد دوسرے رسول کے انکار سے کفر کا خطرہ لگا رہتا تھا۔ خاتم النبیین کی آمد سے یہ کتنی بڑی رحمت ہوتی کہ اس راستہ سے اب کفر کا کوئی خطرہ باقی نہیں رہا نہ کسی اور رسول کے آنے کا امکان ہے نہ کسی کے انکار سے کفر کا اندیشہ باقی ہے۔

بعثت عام اور ختم نبوت | اگر آپ کی بعثت عام نہ ہوتی اور نبوت ختم ہو جاتی تو آنے والی امت بغیر رسول کے رہ جاتی اور یہ بجائے رحمت کے ایک اور زحمت ہوتی، اس لئے جب نبوت کا ختم ہونا مقدر ہوا تو آپ کی بعثت کا دامن قیامت تک کے انسانوں پر پھیلا دیا گیا۔ تاکہ رہتی دنیا تک تمام انسان کامل و اکمل رسالت کے نیچے آ جائیں اور کسی دوسرے رسول کے محتاج نہ رہیں، اور اگر آپ کی بعثت تو عام ہوتی مگر نبوت ختم نہ ہوتی تو اب آئندہ اگر کوئی اور کامل رسول آتا اور آپ کی بجائے اس کی اتباع لازم ہوتی، تو آپ کا ناقص ہونا ثابت ہوتا — (العیاذ باللہ) اور اگر کوئی ناقص رسول آتا تو کامل کے ہوتے ہوئے ناقص کے دامن میں آنا بجائے رحمت کے زحمت بن جاتا۔ اس لئے بعثت عامہ کے بعد نبوت کا ختم ہونا ضروری اور لازمی ہو گیا۔

ظلی بروزی نبوت کی کوئی قسم نہیں ہے | تاریخ نبوت پر جب نظر ڈالی جاتی ہے تو اس میں صرف دو ہی قسم کی نبوتیں ملتی ہیں۔ ایک تشریعی، دوسری غیر تشریعی اور یہ دونوں براہ راست نبوتیں ہیں تو اب نبوت کی ایک اور تیسری قسم (ظلی، بروزی اور بالواسطہ نبوت) کا تراشنا تاریخ نبوت کے خلاف ہے۔ قرآن و حدیث میں کوئی ایک آیت اور ایک حدیث بھی دستیاب نہیں ہو سکتی جس میں آنے والی امت میں سے کسی کو نبی کہا گیا ہو۔ اور نہ ہی دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسا نبی بتلایا جا سکتا ہے جو کسی نبی کے واسطہ اور اس کی اتباع کے صلہ میں انعامی طور پر نبی بنا دیا گیا ہو۔

احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر قسم کی نبوت کی نفی کر دی گئی ہے۔ اور کسی تفصیل کے بغیر لا نبی بعدی، میرے بعد کوئی نبی نہیں، کہہ دیا گیا ہے، اس لئے آپ کے بعد

ہر مدعی نبوت کو کذاب و دجال کہا جارہا ہے۔ کسی حدیث سے ظلی، بروزی، نبوت کی تقسیم ثابت نہیں ہوتی، بہر آخر کسی دلیل سے نبوت کی ایک تیسری قسم مان کر اس کو جاری قرار دیا جائے۔ کیا آیت خاتم النبیین کے عموم میں محض اختراعی تقسیم کی وجہ سے تخصیص پیدا کر کے قرآن کریم میں کھلی تحریف کا ارتکاب کر لیا جائے۔؟

فنافی الرسول اور اتباع کی وجہ سے بھی نبوت نہیں مل سکتی | اگر فنافی الرسول اور اتباع رسول کی وجہ سے کسی کو نبوت مل سکتی اور امت میں کوئی ہلکی سے ہلکی نبوت بھی جاری ہوتی تو صدیق اکبرؓ اور علی مرتضیٰؓ کو ضرور اس سے حصہ دیا جاتا مگر حالت یہ ہے کہ شب ہجرت میں حضرت علیؓ آپ کے بستر پر ساری رات آپ کی جگہ قربان ہونے کے شوق میں پڑے ہوئے ہیں، صدیق اکبرؓ راستہ کے ہر خطرناک موقع پر سر بکف حاضر ہیں، مگر فنافی الرسول کے سمندر کے ان شناوروں کو نبوت کا چھوٹا سا چھوٹا موتی بھی ہاتھ نہیں آیا، بلکہ اگر کسی کے متعلق سیاق کلام میں نبوت کا کوئی ادنیٰ احتمال بھی پیدا ہوتا نظر آیا تو اس کو بڑی صفائی سے دور کر دیا گیا۔ اور کسی کے لئے لفظ نبی کی گنجائش نہیں دی گئی۔

اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک جاتے ہوئے حضرت علیؓ کو جب مدینہ منورہ میں اپنا جانشین بنایا اور اما ترضی ان تکون منی بمنزلہ ھارون من موسیٰ۔ میں اس علاقہ اور نسبت کا تذکرہ آیا جو صرف موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے درمیان تھا تو الا انہ لا نبوۃ بعدی۔ (رواہ مسلم) فرما کر اس غلط فہمی میں پڑنے سے امت کو بچا لیا کہ حضرت علیؓ کی خلافت و جانشینی بھی کہیں حضرت ہارون علیہ السلام کی طرح خلافت نبوت نہ ہو۔

تنبیہ | ایسی حدیثوں میں حضرت علیؓ کو حضرت ہارون علیہ السلام کی ذات گرامی سے تشبیہ دینا مقصود نہیں ہے۔ اسی لئے انت بمنزلہ ھارون۔ نہیں فرمایا بلکہ اس نسبت اور علاقہ سے تشبیہ مقصود ہے جو حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے درمیان تھا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جسطرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی غیبت کے زمانہ میں، کوہ طور جاتے ہوئے اپنی قوم کی نگرانی کیلئے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کا انتخاب کیا تھا۔ اسی طرح اپنی غیبت میں تبوک جاتے ہوئے، میں تمہارا انتخاب کرتا ہوں۔ اتنا فرق ضرور ہے کہ وہ نبی تھے، تم نبی نہیں ہو۔

ظاہر ہے کہ اگر حضرت علیؓ کو نبوت ملتی تو وہ یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع ہی کی بدولت ملتی اور وہ ظلی بروزی نبوت کہلاتی، مگر جب اس احتمال کی بھی نفی کر دی گئی تو اب اتباع رسول

سے نبوت کے ملنے اور ظلی بروزی، مجازی، کسی طرح کی نبوت کا بھی احتمال باقی نہیں رہا۔

محدّث اور مکلّم بھی نبی نہیں ہوتے

حضرت علیؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت اخوت تھی اس کے باوجود نبی نہیں بن سکے یہ نسبت اخوت سے بڑھ کر ابنیت کی نسبت سے گمان ہو سکتا تھا کہ آپ کا کوئی فرزند ہوتا تو شاید وہ نبی ہو جاتا۔ چنانچہ ان کے متعلق حدیث میں یہ ارشاد ملتا ہے لو عاش ابراھیم لکان صدیقاً نبیاء۔ اگر ابراہیم زندہ رہتے تو صدیق نبی ہوتے، لیکن جس ذات قدیر و حکیم نے ختم نبوت کو مقدر فرمایا تھا اس نے ان کے لئے عالم تقدیر میں۔ اتنی عمر ہی نہیں لکھی کہ ان کی علو استعداد ظاہر ہو سکے اور ختم نبوت سے ٹکرائے۔

حضرت عمر فاروقؓ کی فطرت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن اقدس سے وابستہ ہو جانے کے بعد۔ کمالات نبوت کا کیسا انعکاس ہوا تھا اور آپ کی فطرت کو نبوت سے کتنی مناسبت تھی وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ کے سایہ سے شیطان ترساں و لرزاں رہنے لگے تھے اور جس راستہ سے عمرؓ نکل جائیں، تو شیاطین وہ راستہ ہی چلنا چھوڑ دیا کرتے تھے وہ بولتے تھے تو بسا اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ وحی الٰہی ان کی موافقت میں بولتی تھی، وہ مُلہَم من اللہ اور محدّث امت تھے۔ مگر ان سب اوصاف و کمالات کے باوجود بھی ان کے بارہ میں حدیث میں آیا ہے: لو کان نبی من بعدی لکان عمر۔ اگر میرے بعد کوئی نبی ہو سکتا تو عمر ہوتا۔ اس سے یہ بات اور زیادہ صاف ہو جاتی ہے کہ محدّث اور مکلّم بھی نبی نہیں ہوتا۔

حضرت عمرؓ کا محدّث ہونا اور نبی نہ ہونا دونوں باتیں حدیث سے ثابت ہیں نتیجہ واضح ہے کہ محدّث نبی نہیں ہوتا۔ حدیث میں بھی من غیر ان یکونوا انبیاء، مگر وہ نبی نہ ہوتے تھے۔ کہہ کر محدّث کے نبی نہ ہونے کی تصریح کر دی گئی ہے۔

اب اس پر غور کیا جائے کہ حضرت عمرؓ اگر نبی کہلاتے تو ظاہر ہے کہ مجازی طور پر ہی کہلاتے مگر جب وہ بھی نبی نہیں کہلاتے تو پھر امت میں کسی دوسرے کو نبی کہلانے کا استحقاق اور جواز کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔؟

اگر مبشرات نبوت کا جزء ہیں تو کیا ان کو نبوت کہا جا سکتا ہے؟

احادیث میں ایک طرف تو رؤیا صالحہ کو نبوت کا چھیالیسواں جزء کہا گیا ہے۔ دوسری طرف بعض بلند اخلاق کو چھبیسواں جزء قرار دیا گیا ہے۔ حدیث میں ہے التؤدہ والاقتصاد وحسن السمت من ستۃ وعشرین

جزء من النبوۃ، ہر بردباری و متانت، میانہ روی اور اچھی روش نبوت کا چھبیسواں جزء ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ ان اخلاق کی وجہ سے کسی کو نبی نہیں کہا جاسکتا۔ جب چھبیسویں جزء کو نبوت نہیں کہا جاتا تو چھیالیسویں جزء کو نبوت کیسے کہا جاسکتا ہے۔

اس کے علاوہ یہ کہ جزء ہمیشہ اپنے کل کے مغائر ہوتا ہے دیکھئے یہی کلمات جن کا مجموعہ اذان کہلاتا ہے، علٰحدہ علٰحدہ اذان نہیں کہلاتے، عناصر اربعہ انسان کے اجزاء ہیں مگر ان میں سے کسی کو انسان نہیں کہا جاتا، مثلاً پانی انسان کا ۱/۲ حصہ ہے مگر انسان نہیں ہے۔ تو رویا صالحہ نبوت کا چھیالیسواں جزء ہوکر نبوت کیسے ہوسکتا ہے۔؟

افادہ | رویا صالحہ نبوت کے حقیقۃً اجزاء نہیں ہیں کیونکہ نبوت کسی ایسی حقیقت مرکبہ کا نام نہیں ہے جس کا تجزیہ و تحلیل ممکن ہو وہ ایک منصب ہے جس کا تعلق صرف خدائی اصطفاء اور اجتباء پر موقوف ہے۔ ہاں اس کے کچھ خصائص و لوازم ہیں جو اس کی ماہیت کا جزء نہیں ہوتے۔ کیونکہ اصطلاح میں خصائص و اجزاء میں فرق ہوتا ہے۔ مگر اہل عرف کے نزدیک ان خصائص و فضائل ہی کو مجازاً اجزاء کہہ دیا جاتا ہے۔

ختمِ نبوت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ امت کمالات سے محروم ہوگئی | احادیث سے واضح ہے کہ اچھے خواب دیکھنا، الہام، اور فرشتوں کے ساتھ مکالمہ، امت کا دینی اور دنیوی نظم و نسق قائم رکھنا، یہ سب وظائف امت محمدیہ کے محدثین اور خلفاء کی طرف منتقل کردئے گئے ہیں۔ اگر کہیں نبوت ختم نہ ہوئی ہوتی تو یہ اپنے کمالات و استعداد کے لحاظ سے اس کے اہل تھے کہ انہیں منصب نبوت سے سرفراز کردیا جاتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ امت محمدیہ میں بھی استعداد نبوت تو موجود ہے اور انسانی بلند سے بلند کمالات اسے حاصل ہوسکتے ہیں اس لئے ختمِ نبوت کا یہ مطلب نہیں سمجھنا چاہئے کہ امت کمالات سے محروم ہوگئی ہے۔ بلکہ تمام تر کمالات اور پوری استعداد و لیاقت کے باوصف اب چونکہ عہدہ نبوت پر تقرری کے لئے کوئی جگہ خالی نہیں رہی۔ اور منصب نبوت کا عطا ہونا بند ہوگیا۔ اس لئے اس منصب پر کسی کا تقرر نہیں ہوسکتا۔

ظاہر ہے کہ کسی منصب پر تقرر کے لئے ذاتی استعداد اور قابلیت کے علاوہ تقرر کی جگہ کا خالی ہونا بھی شرط ہے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ دونوں نبی نہیں ہوئے اگر اس کی وجہ یہ ہوتی کہ ان حضرات میں اتنی لیاقت و استعداد بھی نہ تھی تو یقیناً یہ اس امت کا نقص شمار ہوتا لیکن

اگر تقرر کی کوئی جگہ ہی نہیں ہے تو اس میں امت محمدیہ کا کوئی قصور نہیں نکلتا ہے۔ یہ بات حکومت کے نظم و نسق کے متعلق ہے کہ وہ کسی عہدہ پر کتنے اشخاص کا تقرر کرنا چاہتی ہے۔

امت محمدیہ کے کمالات اور عظمت اس سے امت محمدیہ کے کمالات اور عظمت کا اندازہ کرنا چاہیئے کہ جن خدمات کے لئے پہلے انبیاء علیہم السلام بھیجے جاتے تھے۔ اب اس امت کے علماء اور خلفاء اس کو انجام دیا کریں گے۔ اب غور کیا جائے کہ امت محمدیہ کی ہتک عزت اس میں ہے کہ اسے نااہل قرار دے کر اس میں نبی پیدا کیا جائے یا اس میں کہ اس کے خلفاء وہ خدمات انجام دیں جو پہلے کبھی انبیاء علیہم السلام اور فرمایا کرتے تھے۔

اسلام میں ختم نبوت کے عقیدہ کو بنیادی عقیدہ کی حیثیت حاصل ہے اس لئے آپ نے غور فرمایا کہ اس عقیدہ کی کس کس طرح حفاظت کی جارہی ہے۔ اگر کہیں ذرا بھی اس بنیادی عقیدہ کو ٹھیس لگتی نظر آتی ہے تو فوراً صفائی کے ساتھ اس کی اصلاح کردی جاتی ہے اور معمولی سے ابہام کو بھی اس سلسلہ میں برداشت نہیں کیا گیا۔

رسولؐ کی حیثیت اسلام میں رسول کی حیثیت کے متعلق ایک اصولی اور سب سے مقدس عقیدہ یہ ہے کہ اس کی ذات بابرکات امت کے لئے مرضیات الٰہیہ کا نمونہ اور اسوہ حسنہ بناکر بھیجی جاتی ہے۔ اس کا صاف اور سیدھا مطلب یہ ہے کہ خالق جل وعلا کی نظر میں جتنی پسندیدہ صفات ہیں وہ سب کی سب انکی ذات گرامی میں جمع کردی جاتی ہیں اور جتنی صفات ناپسندیدہ ہیں وہ ایک ایک کرکے انکی ذات عالیہ سے علیحدہ کردی جاتی ہیں، کیونکہ کسی چیز کے نمونہ کہنے کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ صاحب نمونہ کی پسندیدگی کا معیار ہے۔

حق تعالیٰ نے جہاں اپنی جانب سے اپنی کتاب قرآن کریم دے کر سرفراز فرمایا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس کتاب کا ایک عملی نمونہ بھی عنایت فرمایا تھا، اور وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ لہٰذا جسطرح اللہ کی کتاب ہر قسم کے عیب و نقص سے منزہ ہے۔ اسی طرح اس کا نمونہ بھی ہر عیب و نقص سے مبرا اور پاک وصاف ہونا چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب اللہ کی طرح صحابہ کرامؓ نے اسوہ رسول اللہ کو بھی اپنا پیشوا بنالیا، اللہ تعالیٰ نے رسولؐ کی ذات گرامی کو اسوہ حسنہ فرمایا اور صحابہ کرامؓ نے کسی لیت ولعل کے بغیر آپ کو اپنا اسوہ بنالیا۔

اسوہ حسنہ رسول کی عصمت کا دوسرا مدلل عنوان ہے اللہ تعالیٰ نے جسطرح تبلیغ احکام کیلئے آپ کو اپنا رسول بناکر خود بھیجا تھا۔ اس طرح آپ کی ذات گرامی کو نمونہ اور اسوہ حسنہ بھی خود ہی بناکر

بھیجا تھا، لہٰذا جسطرح آپ کے علوم کی قدرت ضامن تھی، اسی طرح آپ کے اعمال و افعال کی بھی قدرت ہی خود نگران تھی، اور عصمت رسول کا مفہوم بھی یہی ہے۔ لہٰذا اسوہ حسنہ کو رسول کی عصمت کا دوسرا مدلل عنوان سمجھنا چاہیئے۔

اب اگر رسول کے کسی قول و عمل میں معصیت کی گنجائش تسلیم کر لی جائے تو دو باتوں میں سے ایک بات ماننی لازم ہوگی۔ یا رسول کی ذات اسوہ نہ رہے یا معصیت بھی اسوہ کا جزء بن جائے اور امتوں کے حق میں معصیت کا یہ عمل بھی مذموم نہ رہے۔ کیونکہ جب وہ معصیت خود قدرت کے نمونہ میں موجود ہوگی تو پھر اس کی اتباع پر امت سے باز پرس کیوں ہوگی، یہ دونوں باتیں ایک لمحہ کیلئے بھی قابل تسلیم نہیں اس لئے یہی بات تسلیم کرنی ہوگی کہ رسول چونکہ معصوم ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے کسی عمل پر معصیت کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ اس کا ہر ہر عمل نظر ربوبیت میں حسنہ اور نیکی شمار ہوتا ہے اور نیکی بھی وہ جسکو نمونہ کہا جا سکے۔

منکرین حدیث کا عقیدہ | ان کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب رسالت صرف تبلیغ قرآن پر ختم ہو جاتا ہے۔ گویا ان کے نزدیک آپ کی حیثیت ایک پوسٹ مین سے زیادہ نہیں تھی۔ (والعیاذ باللہ)

اب ہمیں اس پر غور کرنا چاہیئے کہ قرآن کریم میں رسولؐ کی کیا حیثیت قرار دی گئی ہے، اوپر معلوم ہو چکا کہ منصب رسالت براہ راست خدا کے انتخاب پر موقوف ہے اور یہ کہ رسالت صرف وہبی ہے۔ بندوں کے کسب و اکتساب یعنی عبادات و ریاضات کو اس کے حصول میں کچھ دخل نہیں ہے۔ قدرت رسولوں کا انتخاب خود ہی کرتی ہے۔

قرآن کریم کی واضح آیات سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء اور رسولوں کی تعلیم و تربیت خود کرتے ہیں وہ ان کو خود پڑھاتا خود ہی یاد بھی کراتے ہیں۔ سنقرئک فلا تنسیٰ الا ما شاء اللہ۔ "ہم آپ کو پڑھائیں گے پھر آپ نہ بھولیں گے بجز اس کے جسکو خدا چاہے۔" پھر اس وحی کے بیان کی ان کی ذمہ داری بھی خود ہی اٹھاتے ہیں: ان علینا بیانہ۔ اس کا بیان بھی ہمارے ذمہ ہے، اور اس سے بڑھکر یہ کہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کے عواطف و میلان قلبی کی بھی نگرانی کرتے ہیں اور ان کے عزائم اور افعال قلبی خطرات کی بھی پوری نگرانی کی جاتی ہے۔ اس لئے امت ان کے متعلق معصوم ہونے کا عقیدہ رکھتی ہے۔ لولا ان ثبتناک لقد کدت ترکن الیھم شیئا قلیلا۔ اگر ہم آپ کو تھام نہ لیتے تو کچھ نہ کچھ آپ ان کی طرف جھک چلے تھے۔ اس ربانی تعلیم و تربیت، عصمت

اور ہمہ وقت نگرانی کی وجہ سے نبیؐ کی جو بات ہوتی ہے۔ وہ خواہش نفس سے پاک اور صاف ہوتی ہے، اور انہیں رائے کی عصمت بھی حاصل ہوتی ہے۔ ارشاد ہے: وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی۔ وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتا جو بولتا ہے وہ خدا کی وحی ہوتی ہے جو اس پر بھیجی جاتی ہے۔ اور ارشاد ہے: انا انزلنا علیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللہ۔ ہم نے آپ پر قرآن سچائی کے ساتھ اتارا ہے تاکہ آپ لوگوں کے معاملات میں اس رائے کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ آپ کو سمجھائے۔ رسولؐ کے سوا کسی کے ساتھ یہ وعدہ نہیں ہے کہ مخلوق میں فیصلہ کیلئے اللہ تعالیٰ خود ان میں سمجھ پیدا کر دیتا ہے۔ یہ رائے کی عصمت انہیں کے ساتھ مخصوص ہے۔

آیت وما ینطق عن الھوی کے معنی منکرین حدیث اس آیت کریمہ کو صرف قرآن مجید کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں۔ حالانکہ یہاں رسول کی صفت نطق کی مطلقاً مدح مقصود ہے۔ قرآن کریم پڑھنے کے لئے تمام جگہ تلاوت یا قرأت کا لفظ مستعمل ہوا ہے اگر یہاں قرآن مراد ہوتا تو وما ینطق کی جگہ وما یتلو یا وما یقراء کا لفظ ہونا چاہیئے تھا۔ منکرین حدیث چونکہ حدیث کے سرے سے مخالف ہیں اس لئے وہ رسولؐ کو کسی ایسی صفت کے ساتھ موصوف دیکھنا نہیں چاہتے جس کے بعد اس کو عام امراء وحکام سے کوئی خصوصی امتیاز حاصل ہو جائے۔

اصل یہ ہے کہ رسولؐ اپنی ذات اور تمام صفات میں عام انسانوں سے ممتاز ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے کان وہ کچھ سنتے ہیں جو عام مخلوق کے کان نہیں سنتے۔ اس کی آنکھ وہ دیکھتی ہے جو عام آنکھیں نہیں دیکھتیں۔ اسی لئے فرمایا: انی اری مالا ترون، میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے، اسی لئے آپ نے اپنے منہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس منہ سے حق بات کے سوا کبھی کچھ نہیں نکلتا، حتیٰ کہ اپنی خوش طبعی کے متعلق بھی فرمایا ہے۔ انی لا اقول الا حقا۔ میں خوش طبعی میں بھی سچی بات کہتا ہوں، اس لئے فرمایا کہ غصہ اور رضامندی کے ہر حال میں جو میرے منہ سے نکلے سب لکھ لو۔ وہ حق ہی حق ہوگا۔ جب اس کے عام نطق کا حال یہ ہے تو جو قرآن اس کی زبان سے نکلتا ہے۔ وہ صدق وصفا کی کس منزل پر ہوگا۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ اس جگہ قرآن نے آپ کے کسی خاص بات کہنے کے متعلق صفائی پیش نہیں کی، یعنی وما ینطق بالقرآن، وغیرہ نہیں فرمایا بلکہ مفعول کو حذف کیا ہے۔ لہذا بلاغت کے قاعدہ کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں مفعول مقصود ہی نہیں بلکہ صرف آپؐ کی صفت نطق کی پاکیزگی بتلانا منظور ہے۔ دیکھئے تفتازانیؒ کی وہ تقدیر جو انہوں نے ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون۔ میں کی ہے۔

(باقی آئندہ)